ایک حضرت پیر پگاڑو کا اور دوسرا حضرت پیر جھنڈا گا۔ اسی طرح جیسا کہ زیر نظر کتاب میں بیان ہوا ہے، حضرت حافظ محمد صدیق صاحب کے خلفا اور سجادہ نشین دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ کا رجحان مشہور عام مکتب دیوبند سے قدرے ملتا تھا اور دوسرے کا مکتب بریلوی سے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب اس طرح کی اور کتابوں سے جو ان موضوعات پر لکھی جاتی ہیں، ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ اور مصنف نے بڑی محنت سے مواد جمع کیا اور اسے بڑی خوش سلیقگی سے پیش کیا ہے۔ اس کی زبان شستہ اور پیرایۂ بیان بڑا اچھا ہے۔ لیکن اگر وہ حضرت حافظ محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے انتساب رکھنے والوں کے اختلاف مسلک کو اس تاریخی پس منظر میں دیکھتے، جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے تو غالباً اپنے ممدوحین کی مدح کے ساتھ ساتھ وہ دوسروں کے لیے قدح کا یہ لہجہ اختیار نہ کرتے، جس کا مظاہرہ کہیں کہیں اس کتاب میں ہوا ہے۔

بہر حال بحیثیت مجموعی کتاب بڑی اچھی ہے، امید ہے اشاعت ثانی کی ترتیب میں ہماری یہ گذارشات ملحوظ خاطر رکھی جائیں گی۔

کتاب غیر مجلد ہے۔ لکھائی چھپائی عمدہ ہے۔ صفحات ۱۲۲، قیمت چھ روپے۔ ملنے کا پتہ: نوری کتب خانہ، دا تا دربار صاحب، لاہور۔

قصص انبیا کے رموز اور ان کی حکمتیں ترجمہ "تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء" تالیف حضرت شاہ ولی اللہ۔ مترجم مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی۔ ناشر: شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد (سندھ) قیمت تین روپے۔

حضرت شاہ صاحب نے شروع میں اپنی اس کتاب کا تعارف یوں کرایا ہے۔ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ واضح ہدایات دے کر انبیا کو مبعوث کرتا ہے۔ اور انھیں اپنی ذات و اسما کے معارف اور اپنی قوت ایجاد و تخلیق کے خزانہ ہائے علم سے بہرہ ور کرتا ہے۔ انبیا رکو رؤیا ہوتے ہیں، جن میں ان کے لیے برزخ اور حشر کے اسرار اور جو کچھ انسان پر معاد میں وارد ہوتا ہے، وہ سب متمثل ہوتے ہیں۔ انھیں ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن میں ملکوت اور جبروت کے اسرار متشکل ہوتے ہیں اور وہ ان سے اللہ کی مراد سمجھ جاتے ہیں۔ اللہ نے ان واقعات میں سے ہر واقعہ میں سِرّ رکھا ہے، اور بندوں میں سے وہی جان سکتا ہے جو تاویل الاحادیث کے علم کا حامل ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں حضرت شاہ صاحب نے انبیا پر گزرے ہوئے انہی واقعات کے

اسرار سے پردہ اٹھایا ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جتنے بھی بڑے بڑے انبیا ہوئے ہیں، ان پر گزرے ہوئے چیدہ چیدہ واقعات کی حکمتیں بیان کی ہیں۔

ان واقعات میں سے سب سے نمایاں چیز وہ معجزات یا خوارق عادت امور ہیں، جو ان انبیا سے صادر ہوئے۔ شاہ صاحب نے زیر نظر کتاب میں زیادہ تر انہی کی حکیمانہ توجیہہ کی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں خوارق کے ذکر میں شاہ صاحب لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ جب کسی تدبیر کے سلسلے میں خرقِ عادت کا اظہار کرتا ہے تو یہ خرق عادت کسی نہ کسی عادت ہی کے ضمن میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ خواہ وہ عادت نادر الوجود ہی ہو۔ غرض جو خوارقِ عادت واقعات رونما ہوتے ہیں، ان کے اپنے اسباب ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ اسباب کم یاب اور نادر ہوتے ہیں۔

اس بنیادی اصول کے اثبات کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں انبیا کی ذات سے جن واقعات کا ظہور ہوا، ان کی تعبیر اور جو خوارق عادت ان سے صادر ہوئے، ان کے اسباب کا بیان ہو گا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے آدم و ادریس علیہما السلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت آدمؑ کے متعلق قرآن مجید میں آیا ہے کہ فرشتوں نے انھیں سجدہ کیا تھا۔ شاہ صاحب اس کی "تاویل" یہ کرتے ہیں کہ یہ فرشتے عناصر میں کام کرنے والے تھے۔ اور ان کے آدمؑ کو سجدہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ وہ جب بنی آدم کا کام کرتے ہیں تو گویا یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ آدم کے جنت سے نکلنے کی تعبیر شاہ صاحب کے نزدیک یہ ہے: آدمؑ میں طبیعی احکام کا ظہور ہوا۔ عناصر اور اخلاط کا نظام ان پر غالب آیا۔ اور اس طرح ان سے جنتیں زائل ہو گئیں یعنی عنایت مَلکی ان سے پوشیدہ ہو گئی اور عنایتِ طبیعی کا ان میں ظہور ہوا۔

قرآن مجید میں حضرت آدم کی ذریت سے مراد اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے پوچھنے کا ذکر ہے اَلستُ بِربکم (کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں)۔ اور ذریت آدم نے یہ جواب دیا تھا۔ قالوا بلیٰ (انھوں نے کہا: بے شک ہاں) شاہ صاحب اس کی تاویل یوں فرماتے ہیں: ذریت آدم نے یہ جواب فطرت کی زبان سے دیا تھا۔ اور یہ فطرت اس وقت طبیعت سے ملوث نہیں ہوئی تھی، انسانوں کا اس سلسلے میں جو مواخذہ ہو گا وہ خود ان کے اپنی فطرت کے خلاف جانے کی بنا پر ہو گا۔ اور قرآن مجید میں ذریت آدم سے سوال کرنے اور اس کے اس طرح جواب دینے کا واقعہ جو مذکور ہے، وہ بس فطرت کو بیان کرنے کی ایک صورت ہے۔

شاہ صاحب جہاں بھی کسی قوم پر عذاب آنے کا ذکر کرتے ہیں، وہ اس کے منجملہ دوسرے اسباب کے اس سبب کا بھی ضرور ذکر کرتے ہیں کہ اس قوم نے اجتماعی زندگی میں بھی شر و فساد پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ قوم نوح کے باب

میں لکھتے ہیں: حضرت نوح کی قوم فاسق وفاجر تھی۔ انھوں نے ارتفاقات اور باہمی معاشرت و معیشت کے امور کو بگاڑ دیا۔ اور ان کا اللہ کی طرف جانے کا راستہ بند ہو گیا۔ وہ انسانیت کی حقیقت سے خارج ہو گئے۔ اگرچہ ان کی صورتیں انسانوں کی سی تھیں۔ اس سے اللہ ان پر ناراض ہوا، اور ان کی ہلاکت کا فیصلہ کیا۔

قوم نوح پر طوفان کا جو عذاب آیا، اس واقعہ کی "تاویل" شاہ صاحب یوں کرتے ہیں: "..... تدبیر الٰہی جو کہ جو یا فضا کے واقعات میں سے ایک واقعہ کی منتظر تھی، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دے۔ آخر سماوی اور ارضی اسباب پانی کا ایک عام طوفان لانے پر جمع ہو گئے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ جاری فرمایا....."

اس کے بعد شاہ صاحب اس بارے میں یہ اصول بیان کرتے ہیں "کوئی بھی عظیم واقعہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب بہت سی عنایات اس کا تقاضا کرتی ہیں.... جس کو علم سے ایک مختصر حصہ حاصل ہوتا ہے تو وہ ان عنایات میں سے صرف ایک عنایت کو دیکھتا ہے، اور باقی عنایات کو بھول جاتا ہے۔ پھر اگر کوئی اس واقعہ کو دوسری عنایت کی طرف نسبت کرتا ہے، تو وہ کم علم آدمی اس کو جھوٹا کہتا ہے۔ لیکن علم کامل اور پوری معرفت ان سب عنایات کو جمع کر لیتی ہے۔"

شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اسی علم کامل اور پوری معرفت کی نعمت سے نوازا تھا۔ وہ ہر واقعہ کے ظہور میں آنے کے تمام اسباب کا پتہ چلا لیتے ہیں۔ اس میں استقراء اور استخراج دونوں طریقوں سے کام لیتے ہیں۔ اور کسی واقعہ کو ظہور میں لانے کے جو الٰہی، قدرتی، اور تاریخی و اجتماعی اسباب ہوتے ہیں اُن سب پر شاہ صاحب کی نظر جاتی ہے۔ چنانچہ اسی طوفان نوح کے ذیل میں کہتے ہیں کہ اسے لانے میں بہت سی "عنایات" یعنی محرکات نے کام کیا "جیسے طبائع ارضی کی عنایت، احکام فلکی کی عنایت، صُوَرِ الٰہیہ کی عنایت اور لوگوں پر مقرر کی ہوئی شرائع کی عنایت۔"

حضرت ہود کی قوم عاد پر جھکڑ اور بارش کا طوفان آیا اور حضرت صالح کی قوم ثمود پر زلزلے کا۔ شاہ صاحب اس کی "تاویل" یہ کرتے ہیں: "قوم عاد کا مسکن ریت کے ٹیلے اور صحرا تھا۔ ان کے علاقے کی آب و ہوا گرم و خشک تھی۔ ان کے حق میں عذاب کی جملہ قسموں میں سے ہوائی طوفان بہت قریب تھا..... انھوں نے ابر آتے دیکھا اور اسے برسنے والا خیال کیا۔ حالانکہ وہ اللہ کا عذاب تھا۔ اس نے ایک تند و تیز ہوائی طوفان کی شکل اختیار کی۔" اور قوم ثمود کے عذاب کی نوعیت یہ تھی: "چونکہ قوم ثمود کے رہنے کی جگہ پہاڑ اور ان کے غار تھے۔ اس لیے ان کے حق میں عذاب کی بہت قریب صورت زلزلے اور سخت آواز تھی۔"

حضرت لوطؑ کے ذکر میں شاہ صاحب فرماتے ہیں: "ان کی قوم پر جو عذاب نازل ہوا وہ زمین کا سخت زلزلہ تھا۔ اور بارش، ہواؤں اور اولے کے مادّے کے مجتمع ہونے سے کنکر پتھر بن گئے تھے۔" اس سے آگے اس کی مزید تشریح یوں کرتے ہیں: "یہ جو فضائی عذاب آتے ہیں، یہ سب ستاروں کے نامناسب اتصال سے آتے ہیں۔ اور یہ تب ہی ہوتا ہے جب آسمان سے بارش بند ہو جائے اور زمین میں بہت سے مواد جمع ہو جائیں۔ پھر ان کے ساتھ ملاء اعلیٰ کا غضب اور لعنت مل جائے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان اسباب میں بسط فرماتا ہے (یعنی ان کی قوت میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے)۔ وہ ان مواد کو کبھی زلزلے اور مہیب آواز بنا دیتا ہے۔ اور کبھی یہ زمین میں دھنسنے کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ کبھی کنکر پتھر برستے ہیں۔ کبھی اللہ تعالیٰ انھیں تند اور تیز ہوا بنا دیتا ہے۔ اور کبھی ان کو گرنے والی بجلی اور آگ کر دیتا ہے۔"

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اگر گمراہ اور فاسق و فاجر قوموں پر جو عذاب آئے، ان کے اسباب ارضی و سماوی تھے تو پھر ان کی حیثیت انبیا کے معجزات کی کیسے ہوئی؟ شاہ صاحب اس کا جواب یہ دیتے ہیں: "اس قسم کے واقعات جو ظاہر ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں اپنے انبیا میں سے کبھی کسی نبی کے لیے ایک نہ ایک وجہ سے معجزہ قرار دیتا ہے۔ یہ وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ نبی اس واقعہ کے ظہور سے پہلے ہی اس کی خبر دے دیتا ہے۔ یا یہ ہونے والا واقعہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سنت مکافات وغیرہ کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس نے عاد اور ثمود کو ان کے اُن گناہوں کی بنا پر ہلاک کیا، جو موجب ہلاکت تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہود اور صالح علیہما السلام کے لیے معجزہ بنا دیا۔"

حضرت ابراہیمؑ کا یہ قصہ کہ آپ نے ستارہ کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ اور جب وہ ڈوب گیا تو پھر چاند اور سورج کو رب کہا۔ اور جب وہ بھی ڈوب گئے تو آپ بولے کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس قصہ کی "تاویل" زیر نظر کتاب میں شاہ صاحب نے یوں کی ہے: لکھتے ہیں کہ فطری صلاحیتوں کے معاملے میں انسانی افراد مختلف ہوتے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے ان مختلف صلاحیتوں والے افراد کی تفصیل بیان کی ہے۔ پھر فرماتے ہیں:

"انسانی افراد میں سے ایک وہ ہوتا ہے جو فطرت کا امام ہوتا ہے۔ وہ عبادت جیسے کاموں کی طرف اس طرح ٹوٹ پڑتا ہے کہ اس کو اپنے فطری تقاضوں کو پورا کرنے سے کوئی رسم و رواج یا دوسری کوئی روکنے والی چیز نہیں روک سکتی۔ کسی کی تقلید یا کسی سے روایت کیے بغیر عبادات کو بجا لانا اور اس کے احوال کو

قبول کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ اس کی واضح مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اس وصف میں آپ اتم اور اکمل تھے۔ اسی خلق کی وجہ سے آپ پر علوم الٰہیہ کا ترشح ہوتا تھا......"

آپ کے ستارے، چاند اور آفتاب کے دیکھنے کے واقعہ کی نوعیت شاہ صاحب کے نزدیک یہ ہے:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوت (اور جوانی) کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکمت عطا کی۔ اور آپ پر آپ کی جبلت منکشف ہوئی۔ پس جب آپ نے ستارہ، چاند اور سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھا تو اس سے وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ جس پروردگار نے ان کو پیدا کیا ہے، وہی ان کی تربیت کرتا ہے اور (حق کی) راہ دکھاتا ہے۔ وہ جسمانی احکام سے مبرّا اور انسانی اغراض سے بلند ہے (اس تنبیہ کے بعد) آپ پر ایک عظیم کیفیت طاری ہوئی۔ اور آپ پر حق منکشف ہوا۔

قرآن مجید میں حضرت یوسفؑ کا جو قصہ مذکور ہے اس کے مختلف واقعات کی "تاویل" بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب اس قصے کی حکمت کا خلاصہ آخر یہ نکالتے ہیں: سب مومنوں کو چاہیے کہ حضرت یوسفؑ کو جو واقعات پیش آئے ان سے یہ سمجھ لیں کہ اللہ اپنی عنایت کو مخلوقات میں کس طرح ظاہر فرماتا ہے۔ جب وہ کسی شخص کو کسی ہلاکت سے بچا کر رکھنا چاہتا ہے۔ یا دنیا اور آخرت میں اس کے کمال تک اسے پہنچانا چاہتا ہے۔ نیز جب اللہ کسی قوم کی بقا کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کس طرح نجات کی تدبیر اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ اور پھر جو بھی اس میں سے اس خدمت کے لیے مستعد ہوتا ہے، اسے اس تدبیر کو بروئے کار لانے میں لگا دیتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا فرعون کے محل میں تربیت پانا، عنفوانِ شباب میں مصر سے نکل کر آپ کا مدین پہنچنا۔ اور پھر مدین سے مصر کی طرف آپ کی واپسی۔ ان تمام واقعات کی حکمت بیان کرنے کے بعد شاہ صاحب طُور پر حضرت موسیٰؑ کو جو واقعہ پیش آیا، اس کی "تاویل" یوں کرتے ہیں:

"جب موسیٰ علیہ السلام وادیٔ طویٰ میں پہنچے۔ یہ برکت والی وادی تھی، جہاں ملائکہ کی روحیں جمع ہو گئی تھیں۔ تو خدا نے ایک تقریب بہم فرمائی۔ حضرت موسیٰؑ کو آگ اور راستہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور ان کی بیوی کو دردِ زہ بھی شروع ہو گیا۔ اس وقت سردی تھی۔ اور حضرت موسیٰ راستہ بھول گئے تھے۔ جب وہ اس وادی میں ایک بیری کے درخت کے پاس پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی طرف ایک تجلی فرمائی کہ اس جیسی تجلی اس سے قبل دوسرے کے لیے نہ ہوئی تھی۔"

اللہ تعالیٰ کی اس تجلی کی ظاہری صورت آگ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا آگ کی صورت میں تجلی فرمانا۔ اس کی "تاویل" شاہ صاحب کے نزدیک یہ ہے: ملاءِ اعلیٰ میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بالمشافہ خطاب کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ چونکہ حضرت موسیٰ طبیعت کے سخت، بہادر اور غیور تھے تو آپؑ کی طبیعت نے اس جگہ پے در پے آگ کا تصور کیا اور اس پر اللہ تعالیٰ نے آگ کی صورت کا افاضہ کیا۔ یہ آگ عناصر کی قسم سے نہ تھی بلکہ اس کا تعلق عالم مثال سے تھا۔

سمندر کا پانی حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھیوں کے لیے پھٹ گیا تھا اور اس میں سے وہ بہ سلامتی گزر گئے تھے۔ لیکن جب فرعون اور اس کا لشکر اسی راستے پر چلا تو سمندر کا پانی مل گیا اور وہ سب اس میں ڈوب گئے۔ شاہ صاحب اس واقعہ کی "تاویل" یہ کرتے ہیں: جب حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو لے کر نکلے تو فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ حضرت موسیٰؑ سمندر پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ایک تیز ہوا کو پانی پر مسلط کیا، جس نے پانی کے ایک حصے کو پھاڑ دیا اور ایک کو خشک کر دیا۔ اس ہوا نے اس کے ایک حصے پر ایسا تصرف کیا، جس طرح وہ زمین کے اجزا میں تصرف کرتی ہے اور وہ بگولا بن جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ نے بنی اسرائیل کو نجات دی اور فرعون اور اس کے لشکر کو ہلاک کیا۔

قرآن میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ پتھر پر اپنا عصا مارتے تھے اور اس سے پانی پھوٹ پڑتا تھا۔ شاہ صاحب اس واقعہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: حضرت موسیٰؑ کو الہام ہوتا تھا۔ پھر وہ ایسے پتھر کو مارتے تھے جس میں پانی کو بہانے کی قریبی استعداد ہوتی۔ وہ پھٹ جاتا اور اس سے پانی جاری ہو جاتا۔

حضرت موسیٰؑ کا "عبداً من عبادنا" سے ملنا جنھیں حضرت خضرؑ کہا گیا ہے، اور حضرت خضرؑ کا بعض ایسے کام کرنا جن پر حضرت موسیٰ معترض ہوئے۔ اس قصے کا قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے ذکر ہے۔ آخر میں حضرت موسیٰ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان کے اعتراضات اس لیے تھے کہ وہ ان کاموں کو کرنے کی اصل وجہ نہیں جانتے تھے۔ شاہ صاحب اس قصے کی "تاویل" کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ..... حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ میں اپنے سے زیادہ کوئی عالم نہیں پاتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ ہمارا ایک بندہ خضر تجھ سے علم میں زیادہ ہے۔ یعنی خاص اوقات میں جو تدبیر الٰہی ہوتی ہے اس کے جاننے میں اور جب اللہ کسی شے کی تدبیر کی تکمیل کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا جارحہ بن کر اس تدبیر کو بروئے کار لانے میں وہ تجھ سے زیادہ معلومات رکھتا ہے۔ البتہ جہاں تک احکام کلیہ اور عام لوگوں

کے لیے جو شرائط ہیں، ان کے بارے میں حضرت موسیٰ اس سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اسی طرح اقامتِ دین میں اللہ تعالیٰ کا جارحہ بننے میں بھی حضرت موسیٰ حضرت خضر پر فوقیت رکھتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ کا حضرت مریمؑ کے ہاں بغیر باپ کے پیدا ہونا۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اس ضمن میں شاہ صاحب لکھتے ہیں: "حضرت مریم کے نطفے میں مرد کے نطفے جیسی قوت تھی۔ اس لیے وہ حاملہ ہوگئیں۔ اور جو بات سیدہ مریمؑ میں تھی وہ سب اس بچے میں آگئی جیسے اللہ سے ارتباط وتمسک، اسی کی طرف التفات وتوجہ اور ملکی ہیئتوں سے خوش ہونا۔ چونکہ حضرت مریمؑ کی حالت ان کے نفس کی قوت مصورہ اور موادِ تک میں سرایت کر گئی تھی اس لیے حضرت جبرئیل کی پھونک سے اس لڑکے میں عالم مثال کا حکم اور روح کے خواص آگئے تھے۔ کیونکہ صورت بننے کا سبب وہی تھا۔ اس سے حضرت عیسیٰ کی جبلت میں جبرئیل کے مشابہ ایک راسخ ملکہ پیدا ہوا حضرت عیسیٰ کی روح القدس سے تائید کا یہی مقصد ہے۔

اسی ضمن میں شاہ صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت مریمؑ کے ہاں حضرت جبرئیل کے دیکھنے سے جو حمل ٹھہرا تو اس میں دو محرکات کام کر رہے تھے۔ ایک تو حضرت مریمؑ کی طبیعت میں قوائے نسلیہ کا ہیجان ہوا اور اس سے وہ (لذت) کی کیفیت پیدا ہوئی جو جماع کے وقت ہوتی ہے۔ دوسرے حضرت مریمؑ کے نفس کا اللہ تعالیٰ سے ارتباط وتمسک تھا۔ اور وہ اس کی ذات کی طرف ملتفت رہتی تھیں۔ اس سے غیب کی طرف سے ان میں پاک دامنی کا فیضان ہوا۔

رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس کے بیان میں شاہ صاحب لکھتے ہیں: ملاءِ اعلیٰ اور آپؐ کے درمیان ایک فطری مناسبت تھی۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ آپؐ کا نفس ناطقہ بلند تھا، اور آپؐ کا نسمہ یا روحِ طبی سے تعلق رکھنے والا امزاج کامل ومعتدل تھا۔ اور یہ اچھے اخلاق کا مستوجب تھا۔ پھر یہ کہ آپؐ کے نفس ناطقہ اور مزاج میں پوری ہم آہنگی تھی۔ اس سے یہ لازم آیا کہ ملاءِ اعلیٰ کی طرف سے آپؐ کے قلبِ مبارک میں دوامی تائید کا فیضان ہوتا رہے۔ اس تائید کی مختلف صورتیں ہوتی تھیں۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی سمجھ عطا فرمائی تھی، جس سے آپؐ ارتفاقات (باہمی معاشرت ومعیشت کے اصول) کو جانتے تھے، جیسے آدابِ معیشت، تدبیر منزل۔ باہمی معاملات، سیاستِ مدن اور امامت وقوم کی سیاست۔ نیز آپؐ نے وہ مصلحتیں جان لیں، جن کا قوم کو خیال رکھنا ہوتا ہے۔ آپؐ نے آراءِ کلیہ کو جو حق تعالیٰ کی طرف سے اترتی ہیں، جانا اور آراءِ جزئیہ کو بھی معلوم کیا جو دلوں کے

وسوسوں اور خطرات، جو سرداروں اور بادشاہوں کے مظالم وغیرہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

" تاویل الاحادیث" کا یہ سلسلہ رسالت مآبؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہوتا ہے۔ شاہ صاحب آپؐ کی ذات اقدس کی جامعیت پر بہت زور دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس قدسی تمام عالم کی سیاست اور ملت کی امامت پر حادی تھا۔ اور وہ عظیم تدبیروں میں ملاء اعلیٰ کے ساتھ قوی شارکت رکھتا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی زیر نظر کتاب کافی دقیق ہے۔ خوش قسمتی سے اس کا اردو ترجمہ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی ڈائرکٹر شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد نے کیا ہے، جن کا شمار اس وقت ملک کے ان چند اہل علم میں سے ہوتا ہے جن کی علوم ولی اللٰہی پر غائر نظر ہے۔ ترجمہ میں حتی الوسع شاہ صاحب کے معارف کو واضح طور پر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس لحاظ سے فاضل مترجم قابل مبارک باد ہیں۔ شروع میں ایک بسیط پیش لفظ ہے جس میں کتاب کے مطالب کا خلاصہ دیا گیا ہے۔

گردپوش جتنا خوبصورت تھا کاش کتاب بھی اتنی اچھی چھپی ہوتی۔ بہرحال مولانا قاسمی نے تاویل الاحادیث کا اردو ترجمہ کر کے علوم ولی اللٰہی کے طالب علموں کو ممنون کیا ہے۔

مسلمانوں کے عقائد وافکار

از علامہ ابوالحسن اشعری۔ ترجمہ: مولانا محمد حنیف ندوی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری کے جلیل القدر عالم علامہ ابوالحسن اشعری کے شاہکار "مقالات الاسلامیین" کا ترجمہ ہے۔ اس میں علامہ نے چوتھی صدی ہجری کے اوائل کے تمام عقائد وافکار کو بغیر کسی تعصب کے بیان کردیا ہے جو صدیوں ہمارے ہاں فکری وکلامی مناظروں کا محور بنے رہے۔ اس کے مطالعے سے جہاں یہ معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے نفسیات، اخلاق اور مادہ وروح کے بارے میں کن کن علمی جواہر پاروں کی تخلیق کی ہے، وہاں یہ حقیقت بھی نکھر کر سامنے آجائے گی کہ ماضی میں فکر ونظر کی کجی نے کن کن گمراہیوں کو جنم دیا ہے اور ان گمراہیوں کے مقابلے میں اسلام نے کس معجزانہ انداز سے اپنے وجود کو برقرار رکھا ہے۔ قیمت: ۹ روپے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ۔ لاہور

علمی رسائل کے مضامین

بیّنات۔ کراچی۔ فروری ۱۹۷۰

اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم	از حافظ ابوالشیخ اصفہانی۔ ترجمہ، مولانا محمد احمد قادری
جواہرِ حدیث	مولانا محمد طاسین
مدارس عربیہ کو چند اصلاحی مشورے	مولانا سید محمد یوسف بنوری
اسلام اور تصویر	شیخ مصطفیٰ حمامی۔ ترجمہ اسعد
اسلامی اشتراکیت	مولانا محمد یوسف (ساہیوال)
حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	مولانا محمد میانوالوی

طلوعِ اسلام۔ لاہور۔ فروری ۱۹۷۰

جماعت اسلامی کے منشور پر تبصرہ	——
قرآنی معاشرہ میں کیا ہوگا؟	——
جمعیۃ علماء اسلام (ہزاروی گروپ) کا منشور	——
جمہوریت یا فریبِ جمہوریت	——

فاران۔ کراچی۔ فروری ۱۹۷۰

بڑھاپے کی آرزوئیں	ملا واحدی
ہندوستان عربوں کی نظر میں	مولانا ابو علی (اعظم گڑھ)
اقبال کے ہم مضمون اردو اور فارسی اشعار	ڈاکٹر محمد ریاض ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی (تہران)
فنِ تاریخ گوئی میں ایک اضافہ	پروفیسر آسی ضیائی
تصوف کے مختلف نظریے	حبیب احمد صدیقی
یادِ رفتگاں۔ حضرت مولانا محمد ایوب دہلوی	ماہر القادری
جواہر پارے	مولانا غازی محی الدین اجمیری

فکر ونظر۔ اسلام آباد۔ فروری ۱۹۷۰

اسلام میں اخوت وتعاون کی اہمیت۔	ایم غلام سرور۔ ترجمہ: سید تنویر جیلانی
فرائضی تحریک۔ ایک تاریخی جائزہ	ڈاکٹر معین الدین۔ ترجمہ: ثروت صولت
دنیائے اسلام کو موجودہ ترقیاتی دور کا چیلنج	ایم۔اے حسین ملک۔ترجمہ: نورالاسلام
ادبیات مشرق ومغرب پر مولانائے روم کا اثر	پروفیسر ڈاکٹر انیماری شیمل۔ بون یونیورسٹی۔ ترجمہ ڈاکٹر محمد ریاض
جمہوریۂ ترکیہ کے عائلی قوانین	محمد رشید فیروز